بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

خالد شریف

مردِ آہن

حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور کانپور
قاضی شہر کانپور رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء..................۱۴۴۱ھ/۲۰۱۹ء

از قلم

مفتی محمد عامر کانپوری عفی عنہ

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجموٗ، کانپور

مردِ آہن

حضرت مولانا، مفتی منظور احمد صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

قاضی شہر کانپور، رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند و سابق شیخ الحدیث

مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور کانپور

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء..................۱۴۴۱ھ/۲۰۱۹ء

آتا ہے کون جرأت اظہار کی طرف
ہجوم دیکھ کر رستہ نہیں بدلتے ہم

سالہا سال کی بیماری اور بڑھاپے کے بہت سارے عوارض کے ساتھ طویل کشمکش کے بعد شیر کانپور، مردِ آہن، مرد قلندر اور حق گوئی و بیباکی کا مرد مجاہد ۳/ نومبر بروز اتوار ایکسل ہاسپٹل میں اپنی آخری سانس لی اور ہم سب کو الوداع کہہ چلا۔(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَا جِعُوْنَ)

اس دنیا میں آمدورفت لگی رہتی ہے، آنا بھی وقت پر اور جانا بھی وقت پر۔ پیغمبروں کی آمد ہوئی پھر وہ کوچ کر گئے۔ ولیوں نے رخ کیا پھر وہ بھی رخت سفر باندھ گئے، علماء نے سفر شروع کیا پھر جلد ہی رخصت اختیار کی، بلکہ یہ سلسلہ ہر ذی روح کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے، کسی کو بھی اس سے رستگاری نہیں، بس باری کا انتظار ہے یوں تو ہر آدمی کی جدائی اس کے متعلقین اور عزیز واقارب کے لیے سوہان روح، قلب وجگر کو مضرت رساں اور ناگوار خاطر ہوتی ہے، مگر بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بہت سی علمی مجلسیں سونی اور ویران ہوجاتی ہیں، علم وفکر کے بہت سے دروازے بند ہوجاتے ہیں، تعمیر

وترقی کی راہیں مسدود اور انتظام وانصرام کے پیمانے خالی نظر آنے لگتے ہیں، اور منبر ومحراب پر ایک اندھیرا وسناٹا چھا جاتا ہے؛ بلکہ ہر سمت غم کے بادل چھا جاتے ہیں ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل رنجور ومغموم ہو جاتے ہیں۔

ایک وہ ہیں کہ جنہیں اپنی خوشی لے ڈوبی
ایک ہم ہیں کہ جنہیں غم نے ابھرنے نہ دیا

آج مفتی رحمۃ اللہ علیہ کے دنیا سے چلے جانے سے ہر محفل، ہر انجمن، ہر بزم سوگوار ہیں، نالہ کناں اور فریاد وفغاں ہے۔

جرأت وبیباکی میں یکتائے روزگار: مفتی صاحبؒ

اپنی جرأت وبے باکی کے لئے مشہور تھے۔ وہ چند سال تک مسلمانوں کی مظلومیت اور اُن کی حق تلفی کے خلاف اٹھنے والی واضح اور نمایاں آواز کی حیثیت رکھتے تھے، دین متین پر کوئی آنچ آجائے ان کو گوارا نہ تھا، ہر باطل فرقوں سے نبرد آزمائی کرنے کی بے پناہ صلاحیت تھی، جواں مردی، جفاکشی ان کی گھٹی میں ملی ہوئی تھی۔ ان کا رعب دبدبہ ہر ایک پر عیاں رہتا تھا۔ عالم شباب میں گرجتے وبرستے بادل تھے، ہر ایک پر گرجتے وبرستے تھے کوئی بھی اس فیض سے بے فیض نہیں رہتا، ہر ایک کے دل میں اور ہر ایک کے زباں پر رہتے، اسی لیے تمام مسالک ونقطہ ہائے نظر کے مسلمان ان کی بے پناہ عزت کرتے تھے، چنانچہ جیسے ہی ان کی وفات کی خبر عام ہوئی کانپور کے سارے مسلم علاقوں، بالخصوص جاجموؤ کے وسیع تر اطراف پر غم والم کے بادل چھا گئے، مدارس ومکاتب بند ہو گئے، تجارتی سرگرمیاں موقوف

ہوگئیں۔ سارے قابل ذکر قائدین وسیاست داں اور مسلم تنظیموں کے ذمے داروں کا رخ ان کے گھر کی طرف تھا ، جواُن کے پسماندگان سے تعزیت کرنے کے لیے بڑی تعداد میں آتے رہے، جس سے اُن کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا تھا۔

مسلمانوں کی تکلیف کو دیکھ کر اٹھنے والے:

مفتی صاحبؒ کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ مسلمانوں کو لگنے والے کسی زخم کو دیکھیں اور بے تابانہ تڑپ نہ اٹھیں۔ وہ ظلم وناانصافی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تو بہت ہی بری طرح گرجتے تھے۔ ان کی بے باکانہ تقریریں، مسلمانوں اور دبے کچلے طبقوں کے خلاف حکومت کے ظلم وناانصافی کے رویوں پر ان کے پرزور احتجاج اور ان کے گرجنے وچنگھاڑنے کی صدا نہ صرف پورے کانپور، بلکہ ملک کے اطراف واکناف میں سنائی دیتی تھی۔ وہ اس سلسلے میں اپنے ذاتی مفادات کا خیال کرتے تھے نہ حکومت وقت کی داروگیر سے ڈرتے تھے، نہ فوج وپولیس کے ذریعے گرفتاری سے گھبراتے تھے۔ بعض دفعہ مفادات کا خیال رکھنے والے اور حکومت کی طرف سے پیش آنے والی گرفتاری کے خطرات کو پیش نظر رکھنے والے قائدین ، مفتی صاحبؒ کی جرأت بے باکانہ کو ناعاقبت اندیشی، سیاسی غباوت، زندگی اور اس کے مسائل سے نمٹنے کے طریقوں سے حد درجہ ناواقفیت اور مسلمانوں کے مفادات کے تئیں احمقانہ رویے سے تعبیر کرتے تھے؛ لیکن یہ سچ ہے کہ مفتی صاحبؒ نے نہ تو بے وقوف تھے اور نہ ہی سیاسی آگہی اور قائدانہ بصیرت سے عاری اور نہ ”فریاد“ کے موقع ومحل سے

نا آشنا؛ لیکن وہ صاف دل تھے، ان میں حالات اور ظلم و ناانصافی پر چیخ اٹھنے کے حوالے سے بچوں کی سی معصومیت تھی، عوام کی سادگی تھی اور پیچیدگیوں کی فطرت پر نہ پیدا ہونے والے لوگوں کا سا عام انداز تھا، جب کہ ''عقل مند'' سیاست داں اور قیادت داں حضرات ''فریاد'' کرنے میں بھی موقع ومحل کا خیال رکھتے ہیں۔

چوٹ کھائی ہم نے کئی بار ؛ لیکن
بات ہم نے حق گوئی کی کی

ولادت باسعادت: آپؒ کی ولادت ۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۱ء ضلع جون پور کے چھوٹے گاؤں پوڑیا میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا نام حکیم عبدالسلام دادا کا نام مولانا محمد مسلم تھا۔ ضلع جونپور ہمیشہ سے علماء وصلحاء کا مرکز رہا ہے۔ علم وادب کا منبع رہا ہے، عرصہ دراز سے یہاں علم کی شیدائی بجتی رہی، قاضی شہاب الدین غزنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نامدار نے اس شہر کو رونق بخشی۔

تعلیم کا آغاز: آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے مکتب سے کیا، پھر چند ماہ بعد اعظم گڑھ کے قصبہ سرائے میر کے مدرسہ بیت العلوم میں حاصل کی تقریباً آپ نے یہاں سال ہفتم تک تعلیم حاصل کی پھر اس کے بعد سند فراغت کیلئے ۱۳۷۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے، ۱۳۷۳ھ میں قطب عالم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شیخ زکریا صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھی۔ فراغت کے بعد آپ نے ''بھارت طبیہ کالج'' جو سہارنپور میں واقع ہے طب اور حکمت کی تعلیم حاصل کی تقریباً ایک سال تک؛ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا اللہ کو آپ سے دینی خدمات

لینا تھا اور آپ کا فیض سارے عالم میں پہنچانا تھا؛ اس لئے خداوند قدوس نے آپؒ کو اپنے دین کی نشر واشاعت کے لئے منتخب کیا اور آخری سانس تک اس پر قائم ودائم رکھا یہی اللہ کی قبولیت اور ان کی مقبولیت کا راز ہے جو

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کا مصداق ہے، جو بالکل برحق ہے۔ چنانچہ آپؒ نے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے حکم سے طب وحکمت کو چھوڑ دیا اور اپنے اصلی مقصد کی طرف لوٹ آئے، جس کے لیے اللہ نے آپ کو پیدا کیا تھا اور انہیں منتخب کیا تھا۔

آپؒ کے اساتذہ: ایسے تو بے شمار علماء کرام سے آپؒ نے علم حاصل کیا، لیکن آپؒ کو پروان چڑھانے میں گوہر نایاب موتی بنانے میں، جرأت وبے باکی کا مرد آہن بنانے میں چند علماء کرام کی نظر تھی، جو آپؒ کے مربی ومشفق بھی تھے، جن میں سرفہرست حضرت فقیہ الامت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا امیر کاندھوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی خصوصی توجہات نے فقہ وفتاوی میں مہارت پیدا کردی تھی، علم وعمل میں بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔

صحبت صالح: کسی بھی انسان کی ترقی کا راز، عمل وعمل میں پختگی کے اسباب اور خوف خدا، فکر آخرت کے ذرائع میں صحبت صالح کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ جس کسی انسان کو آپ دین کے حوالے سے ترقی کے راہ

پر دیکھیں گے تو صحبت صالح کا ایک بہت بڑا حصہ شامل رہتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ بھی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں ہر جمعہ کے دن حضرت مدنیؒ کے درس میں شریک ہونے کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے اور ان سے ظاہری و باطنی خوب خوب استفادہ کرتے، یہ آمدورفت اور فیضیابی کا سلسلہ تقریباً تین سال تک رہا، پھر جدائیگی کا وقت آگیا۔ آپ اسی دوران شیخ زکریا رحمۃ اللہ سے بھی تعلق قائم رکھا پھر اس کے بعد مولانا محمد پرتاپ گڑھیؒ سے۔

درس وتدریس اور علمی لیاقت: آپ علم وعمل، درس وتدریس اور خطابت میں ید طولا رکھتے تھے، ہر فن میں آپ کو دسترس حاصل تھی اور آپ اپنے طالب علمی کے زمانہ سے اپنے اساتذہ کے محبوب نظر تھے، اسی وجہ سے حضرت مفتی الامت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کی نظر آپ پر ٹکی ہوئی تھی آپ کے اندر وہ جوہر اور ایسا ملکہ محسوس کرتے تھے جس سے امت کو فائدہ پہنچنا یقینی تھا، لہٰذا حضرت گنگوہیؒ نے مفتی صاحبؒ کو علم وحکمت سے ہٹا کر مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور میں متعدد حضرات ذمہ داران کی رائے ومشورے سے بحیثیت استاذ بنالیا۔ تقریباً آپؒ نے ۵۵ سال تک مدرسہ جامع العلوم میں رہ کر ہزاروں علماء وطلبا کو فیض پہنچایا، صرف کانپور والوں کو ہی نہیں؛ بلکہ اطراف کانپور کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ آپ ۵۵ سال کی مدت میں اوّل تا آخر ساری کتب آپ نے پڑھائی اور ہر فن میں پڑھائی اور اسی ادارے میں ۵۲ سال تک

شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، بخاری شریف کا درس دیتے رہے، قال اللہ وقال الرسول کی صدا سناتے رہے، اورفقیہ الامت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کی مسند کو زینت بخشتے رہے اورمعذور ہونے تک آپ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں ہے لاالہ الا اللہ

عہد قضا: شہر کانپور کے سابق قاضی احمد حسینؒ کے انتقال کے بعد آپؒ ۱۴۰۰ھ میں باقاعدہ منجانب حکومت منصب قضاء پر فائز ہوئے اور تقریباً ۴۰ سالوں تک بخوبی قضاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔اس دوران ہر مظلوم کی آواز پر کھڑے رہے، ہر باطل فرقوں کا مقابلہ اورتعاقب کرتے رہے، اپنی آن بان اورشان کے ساتھ ہر میدان میں نبرد آزمائی کرتے رہے، چاہے وہ دینی اسٹیج پر ہو یا دنیوی کٹگھرے، ہرایک کے لئے اپنی آواز کو بلند کرتے یہاں تک کہ اس کا حق نہ دلادیں۔ وہ ہمیشہ حق وصداقت کا سبق دیتے تھے،اپنی دینی اخوت کو عام کرتے تھے،عصبیت سے بے انتہا نفرت کرتے تھے، ہر گلی گلی ونگر نگر امن وامان کو بحال رکھنے کیلئے کوشاں رہتے تھے اوراپنا فیصلہ دینی شریعت کے پیش نظر نافذ کرتے تھے، ذات پات ودھرم کا لحاظ نہیں کرتے تھے،کبھی کسی کی دولت پر نگاہ نہیں اٹھائی اور نہ کبھی کسی تنگدستی سے نظر ہٹائی۔

آئین جواں مردی ، حق گوئی وبیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

رکـــن شـــوریٰ: جب اللہ کسی کا فیض عام کرتا ہے تو وہ اسے وہ ملکہ، شعور اور حساسیت عطا کرتا ہے جس سے افراد کو اداروں کو اور تنظیموں کو ثابت قدمی اولوالعزمی اور جلا ملتی ہے آپ کی ذہانت، لیاقت، رائے میں پختگی، کام میں ثابت قدمی اور غور وفکر اصابت رائے کی وجہ سے آپ کو ملک کے دو عظیم ادارے (دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور) کے شوریٰ کا رکن بنایا گیا۔ آپؒ نے اس ذمہ داری کو بھی بحسن وخوبی اور دینی حمیت کے پیش نظر انجام دیتے رہے، آپ کے حسن انتظام، صحیح مشوروں اصابت رائے نے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں نہ جانے کتنی خوشگوار تبدیلیاں پیدا کیں۔ تعمیر وترقی کی راہیں ہموار کیں، آپ کی ثابت قدمی اور اولوالعزمی نے نہ جانے کتنے اداروں، جامعات، مکاتب اور مساجد کو ایک نئی زندگی، نئی جہت، نئی فکر اور خوشگواریاں عطا فرمائیں جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا، جس کا صلہ تا قیام قیامت ملتا رہے گا۔ انشاءاللہ۔

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

(اکبرالہ آبادی)

جمعیۃ علماء ھند کی ورکنگ کمیٹی کے اساسی رکن:

آپؒ ایک عرصہ دراز تک جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے، اس کی دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے، اس اسٹیج سے ظالم کی جارحیت کی بیخ کنی کرتے رہے، مظلموں کا سہارا بے کسوں کے مددگار بنے رہے۔ ۱۹۹۲ء کے فسادات میں آپؒ نے متعدد مقامات پر امن وامان قائم رکھنے،

جذبات کو قابو رکھنے اور مسلمانوں کے جان و مال کی تحفظ کی بقا کیلئے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اور آپؒ ایک عرصہ تک جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے اساسی رکن رہے۔

مثالی اور روایتی صاف گوئی و بے باکی کا

نمونہ: آپؒ واقعی بے لاگ اور بے داغ سیرت کے حامل تھے۔ آپؒ کی للکار سن کر سارے زعما خود اسٹیج پر موجود ہوتے ہوئے سنّاٹے میں آجاتے انہیں لگتا جیسے کسی نے ان کی زبردست گوش مالی کردی ہو۔ اور ''عقل عیار'' کی کسی بات کو کسی وقت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے؛ کیوں کہ ضمیر کی پاکیزگی اور جراحت دل کا گہرا احساس انہیں جنون بے خطر کے اشاروں پر چلنے پر مجبور کردیتا تھا۔

ہمیں گواہ بنایا ہے وقت نے اپنا
پیامِ عظمت کردار آؤ سچ بولیں

ستم ہائے زمانہ: ہر انسان کے زندگی میں نشیب وفراز آتے ہیں، لیکن کارہائے حیات میں نشیب وفراز چاہے کتنے آئیں کام کسی نہ کسی طرح چلتا رہتا ہے۔ جب کسی انسان میں جواں مردی، دوڑتا ہوا خون اور عہدہ واقتدار کا مالک ہو، ہر انسان اس کا احترام اور سلام کرتا ہے، اس کی گیت گاتا ہے جیسے جیسے وہ بڑھاپے کے آغوش میں بستر مرگ پر پہنچتا ہے جوانی کو الوداع کہتا ہے اور عہدہ واقتدار سے کنارہ کش ہوتا ہے اور اس سے وابستہ مطالب واغراض پورے ہوچکے ہوتے ہیں، تو ویسے ویسے اس کی قدر ومنزلت گھٹنے لگتی ہے، اس سے کنارہ کش کیا جانے لگتا ہے، اس کے کارنامے کو بھلایا جانے لگتا ہے۔ زندہ کو مردہ تسلیم کیا جانے لگتا ہے اور مرنے کے بعد

اس کے مسیحا بن جاتے ہیں۔ ستم ہائے زمانہ کا کیا کہنا، جب مفتی صاحب بام عروج پر تھے تو ہر ایک ان کا تھا؛ لیکن جب کنارہ کش ہوئے، تو سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیا تعزیتی اجلاس سے کسی کی روح کو تسکین پہنچ سکتی ہے؟ اس کی لحد کو نول سکتا ہے، اس کا حق ادا ہو سکتا ہے؟ ہر شخص اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اپنے تاثرات سے اپنا تعلق، اپنی محبت تہہ دل سے اقرار اور اظہار کرتا ہے۔ یہ بہت اچھی چیز ہے؛ لیکن ذرا دل کی گہرائی سے سوچا جائے کیا اس سے ان کو آخرت کی بلندی نصیب ہو سکتی ہے؟ یہ کام تو صرف ان کے لئے دعاؤں اور ان کے نقش قدم پر چلنے سے ہو سکتا ہے۔ اختلاف و انتشار کے اسباب چاہے کچھ بھی ہوں ؛ لیکن یہ اختلاف و انتشار اغیار سے نہیں ہوتے۔

جس طرح آپؒ نے اپنے کو جامع العلوم کے لیے وقف کر رکھا تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اختلاف کے زمانے میں جو خاراشگافی کی، جس ہفت خواں کو طے کیا، جس درد کو پالا، جس الجھن سے دوچار ہوئے شب و روز جن زہرہ گداز حادثات و واقعات سے نبرد آزما ہوئے، اس نے ان کی تمام قوتوں کو نچوڑ لیا تھا۔ اور ناتواں جسم کے انگ انگ کو شکستہ کر دیا تھا؛ لیکن مفتی صاحبؒ نے سب کو معاف کیا، کسی سے شکوہ نہیں کیا، سب کو گلے لگایا اور ہر ایک کی خطا کو درگزر کیا۔

مرض الموت ووفات: مفتی صاحبؒ ایک عرصہ دراز سے مختلف امراض میں مبتلا تھے کبھی دل کے امراض میں، تو کبھی شکر کے مرض سے پیدا شدہ متنوع عواض اور سحر نے ان کو بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ بالآخر وقت موعود آ گیا اور ۳ر نومبر بروز اتوار ایکسل ہاسپٹل میں بعد نماز مغرب اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ کانپور کے بڑی عیدگاہ کے گورے قبرستان میں سپرد

خاک ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اولاد: آپؒ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں اور ایک بھائی تھے۔ اور سبھی صاحبزادے حافظ قرآن ہیں۔سب کو ازدواجی زندگی سے منسلک کردیا تھا۔اورسب میں اپنے اپنے کام میں مصروف عمل ہیں، اوراپنے ایک بیٹے جناب حافظ معمور صاحب جامعی کو اپنی زندگی میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اپنی ایک بیٹی کا نکاح چمپارن کے قاری بشیر احمد صاحب دامت برکاتہم سے منسلک فرمایا جو چمپارن کے ایک مقبول ومعروف مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ اورخود بزرگ شخصیت کے حامل ہیں، نیک صالح طبیعت کے مالک ہیں،الغرض قوم کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی بھی تربیت فرمائی اوران کوصحیح تربیت سے مالا مال کیا۔ یہ بہت اہم ذمہ داری کا کام ہوتا ہے۔

آپؒ کے شاگرد: آپؒ کے شاگرد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جامعات ومدارس ومکاتب میں اساتذہ، ائمہ جماعتوں اوراداروں کے قائدین کی حیثیت سے کام کررہے ہیں ۔ان کے بعض شاگرد برصغیر کے نامور اہل قلم اورعربی واردو زبان وادب کے مسلم ادیب اورمصنف کی حیثیت سے اپنی مستقل شناخت رکھتے ہیں۔ شہر کانپور میں آپؒ کے شاگردوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہیں: حضرت مولانا سعید صاحب قاسمی امام واخطیب وبانی مدرسہ جامعہ قاسمیہ تاڑبغیہ وشیخ الحدیث مدرسہ جامع

العلوم جامع مسجد پٹکا پور کانپور، حضرت مولانا متین الحق اُسامہ صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش وحالیہ قاضی شہر کانپور وناظم اعلیٰ مدرسہ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجموٗ کانپور، حضرت مفتی اقبال صاحب صدر مفتی کانپور وصدر المدرسین مدرسہ نکھٹو شاہ بیکن گنج کانپور، حضرت مفتی عبدالرشید صاحب قاسمی استاد حدیث مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکا پور کانپور وامام وخطیب پھول والی گلی مسجد کانپور اور ایسے دیگر جید علماء شہر کانپور واطراف کانپور میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کا صلہ ان کو ابدالآباد تک ملتا رہے گا۔

مفتی صاحب مرنے کے بعد زندہ رہیں گے:

مفتی صاحبؒ اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور رکسی کو یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے؛ لیکن یہ ان کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی جرأت گفتار اور اپنی عوامی مقبولیت کے طفیل تادیر زندہ رہیں گے۔ مرنے کے بعد وہی لوگ زندہ رہتے ہیں، جو زندہ رہتے ہوئے مرنے کے بعد زندہ رہنے کا سامان کر جاتے ہیں اور اپنے بعد زندہ رہنے والوں کے دلوں میں یادوں کے بہت سے نقوش ثبت کر جاتے ہیں۔

یاد رکھے گا تمہیں بھی یہ زمانہ عامر
شرط لیکن یہ ہے کچھ کام نرالے تو کرو